قصہ ایک شہزادی کا
سمیرا سرفراز
ناولٹ
Shuaa digest september 2018
ایک ہنستی مسکراتی دلچسپ تحریر
Imagitor

CamScanner

قصہ ایک شہزادی کا

سمیرا افراز

شاہ تاج کی شادی اس گھر کا سب سے بڑا مسئلہ تھی حالانکہ وہ خود کسی کے لیے مسئلہ نہیں تھی۔ تعلیم یافتہ، رنگ و روپ میں یکتا، ناز و انداز اس کے سب شہزادیوں جیسے تھے۔

وہ اپنے والدین اور تایا کی فیملی کے ساتھ ایک ہی گھر میں مقیم تھی۔ ایک پھوپھو تھیں جو اپنی فیملی کے ساتھ لندن میں رہتی تھیں۔ والدین نے اس کی تعلیم کے معاملے میں ہمیشہ غیر معمولی سنجیدگی دکھائی تھی۔

وہ بے حد ذہین تھی، ہمیشہ نمایاں کامیابی حاصل کرتی، انجینئرنگ یونیورسٹی میں داخلہ لینا اس کا خواب تھا۔ جس میں وہ بالآخر کامیاب ہو گئی تھی۔

خوش لباس، خوش شکل اور با اعتماد سی شاہ تاج بہروز جب یونیورسٹی کی راہداریوں سے گزرتی تو کئی دل ایک ساتھ دھڑکتے، کئی نگاہیں پلٹنا بھول جاتیں مگر ادھر ناز کا یہ عالم تھا کہ ایک نگاہ غلط سے بھی نوازنا گوارا نہ کرتی۔

پھر یوں ہوا کہ انجینئرنگ کے آخری سال میں اس کے سینئر شیراز مصطفیٰ نے ہمت کر کے اسے پرپوز کر دیا۔ وہ اچھے خاندان کے چشم و چراغ تھے، اپنا کاروبار تھا، ڈگری اضافی خوبی کے طور پر حاصل کر لی تھی۔ مناسب قد و قامت اور چہرے پر سیاہ داڑھی رکھے، وہ اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے شاہ تاج کو کچھ ایسے برے بھی نہ لگے، پھر وہ رشتہ لانے کی اجازت مانگ رہے تھے۔

دوستی کی پیش کش ہرگز نہیں کر رہے تھے، وہ کوئی دبو لڑکی تو تھی نہیں جو گھبرا کر ستون کی اوٹ میں چھپ جاتی۔

''اپنا فون نمبر دیجیے، گھر پہ بات کر کے انفارم کر دوں گی۔'' سپاٹ چہرے اور بے نیاز سرمئی آنکھوں سے انہیں تکتی ہوئی وہ شیراز مصطفیٰ کو بڑی غیر روایتی سی لگی مگر وہ اسے کئی سالوں سے دیکھتے آ رہے تھے۔ سوال میں کوئی بھی ناطہ خیال نہ آیا۔ وہ نمبر لے کر پلٹ گئی، دو دن کے صبر آزما انتظار کے بعد وہ انہیں گھر آنے کا عندیہ دے چکی تھی۔ بقول تایا ابو کی بیٹی میرب کے۔

''اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو روایتی لڑکیوں کی طرح کمرہ بند کر کے منہ پر لیپا پوتی کرنے کے بجائے شاہ تاج صاحبہ اپنی 95 کی مارگلہ میں شہر کے سب سے اچھے بیکرز سے چائے ناشتے کا سامان لینے گئی تھیں اور اس لیے شیراز کی امی ڈرائنگ روم میں ''لڑکی'' کے دیدار کی منتظر تھیں۔ لڑکی اس لیے سامان سے لدی پھندی باہر سے اندر داخل ہوئی تھی۔

''سوری بابا! پہلے بیکری پر پھر پیٹرول پمپ پر از حد رش تھا۔ پورا ایک گھنٹہ ضائع ہو گیا میرا۔ آپ کو تو پتا ہے آنٹی! آج کل شہر میں گاڑی چلانا جہاد پر جانے جتنا ہی مشکل ہو گیا ہے۔'' مشترکہ سلام جھاڑ کر، ماں باپ کی گھوریوں کی پروا کیے بنا۔ وہ بے حد

نارمل انداز میں باتیں کرتی ہوئے شیراز کی امی کے برابر میں بیٹھ گئی تھی۔ وہ جتنا بھی حیران ہوتیں کم تھا۔

"گھر کا سودا سلف آپ ہی لاتی ہیں بیٹا؟" انہوں نے ایک جتاتی نگاہ شیراز پر ڈال کر شاہ تاج سے سوال کیا۔

"نہیں، ایسی بات نہیں ہے بہن! بس وہ آج ذرا احمر گھر پر نہیں تھا تو اس لیے۔" بابا نے گھبرا کر وضاحت دی۔ کیا کہتے، بیٹی کو خود ہی ہر جگہ سینگ پھنسانے کی عادت ہے، وہ کسی دوسرے سے مدد لینا گناہ سمجھتی ہے۔

"بات یہ بھی نہیں ہے آنٹی! میں اپنے ذاتی کام کسی سے نہیں کرواتی۔ احمر بھائی میرے کزن ہیں، میرے نوکر نہیں اور میرے اپنے بھائی کو آپ نے دیکھا ہے۔ وہ مینٹلی تھوڑا سلو ہے، باہر کے کام نہیں کرسکتا اور بابا کی صحت اب اس قابل نہیں کہ میں ان پر یہ ذمہ داریاں ڈالوں۔ چند سال پہلے ان کی ایک ٹانگ تقریباً ضائع ہوگئی تھی، ان کی جاب کی وجہ سے۔" وہ سچ بولتی تھی اور بلا جھجک بولتی تھی۔ اس کے بابا چند سال پہلے تک بالکل نارمل تھے، وہ کم پڑھے لکھے آدمی تھے۔ فیکٹری میں مشینوں پر کام کرتے تھے، ایسے ہی ایک مشین کی چیکنگ کے دوران ان کی ایک ٹانگ حادثاتی طور پر چلتی مشین کے اندر آگئی تھی۔ وہ کٹی تو نہیں تھی مگر چلنے کی صلاحیت کھو بیٹھی تھی سو اب وہ گھر پر رہتے تھے۔ شکر تھا، گھر اپنا تھا، بڑے بھائی بہت اچھے تھے اور کچھ انہوں نے اپنے اوپر کے تین کمرے کرائے پر دے رکھے تھے سو گزر ہو رہا تھا۔ شاہ تاج ٹیوشنز دیتی تھی، ایک ہی بیٹا تھا جو یوں تو بالکل ٹھیک تھا مگر پری میچور پیدائش کے سبب دماغ کے کچھ خلیے صحیح طرح بن نہیں سکے تھے، باتیں دیر سے سمجھتا تھا۔ جیسے تیسے پڑھ رہا تھا مگر وہ جانتے تھے کہ اس کا مستقبل کچھ نہیں تھا۔ شیراز مصطفیٰ کی قسمت تھی کہ ان کی ماں کو شاہ تاج کی صاف گوئی بھا گئی تھی۔ جلد منگنی کی رسم ادا کردی گئی، شادی پڑھائی ختم ہونے کے بعد طے پائی تھی۔

آخری سمسٹر چل رہا تھا سو چند مہینوں بعد وہ بھی تمام ہوا مگر شاہ تاج کے دماغ میں کوئی اور ہی کھچڑی پک رہی تھی۔ اسے بہت اچھی فرم میں جاب آفر ہوگئی، اس نے بنا کسی سے مشورہ کیے جاب قبول کرلی۔ شیراز کے گھر مٹھائی پہنچا کر اب وہ بابا اور تایا ابو کے نرغے میں تھی۔ ایک طرف احمر ماتھے پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا۔

"تمہیں کس بات کا خوف ہے؟ اگر تم یہاں سے چلی گئیں تو ہم چاچو کو گھر سے نکال دیں گے یا خدانخواستہ انہیں فالج کی نوبت آجائے گی؟" احمر نے بمشکل غصہ قابو کر رکھا تھا۔ یہ صحیح تھا کہ اس نے جاب بنا بتائے کرلی تھی مگر وہ معلومات لے چکا تھا، فرم کی شہرت اچھی تھی اور شاہ تاج کی سیلری بھی۔

"احمر بھائی پلیز، میں ایسا ہرگز نہیں سوچتی مگر یہ میرا فرض ہے آپ لوگوں کا نہیں۔ مجھے کچھ سیونگز کرنے دیں بابا اور پہلاج کے لیے۔" وہ بہت اعتماد سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہی تھی۔

"مگر بیٹا! ہم نے شیراز کی امی سے یہی طے کیا تھا کہ تمہاری تعلیم مکمل ہوتے ہی شادی کی تاریخ دے دیں گے۔" تایا ابو نے اسے پیار سے سمجھانا چاہا۔

"تایا ابا میں کہیں بھاگی نہیں جارہی، سال چھ مہینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اتنا تو انہیں بھی میرے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔" اس کی اپنی منطق تھی، اگلے دن شیراز کو بلایا گیا۔ وہ بے چارہ وہاں ماں کی سن کر آرہا تھا، یہاں شاہ تاج کا فیصلہ سنا تو اس کو حق پر سمجھتے ہوئے پھر ماں کو ہی منانے لگ گیا۔ یہ معاملہ بھی نمٹا تو شاہ تاج کی نوکری چل پڑی۔ ایک سال میں ہی اس کی تنخواہ احمر کے برابر ہوگئی، گھر کے حالات بہت بہتر ہوگئے۔ تایا ابا بھی اس کی ترقی سے خوش تھے تو بابا اور امی بھی خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگے۔

امی کو بچت کی عادت تھی، کئی کمیٹیاں ڈال دی تھیں۔ کبھی نیا کارپٹ آتا، کبھی نئی الماری، بابا کو چھوٹا سا جنرل اسٹور بھی کھلوادیا۔ وہ بھی معروف رہنے لگے۔ سال سے اوپر ہوگیا تھا۔ شیراز کی امی عمرہ کرنے جارہی تھیں، جاتے جاتے بابا کے کان میں شادی کی بات ڈال گئیں جو وہ اپنی واپسی کے فوری بعد کرنا چاہتی تھیں مگر یہاں وہ ہوگیا جس کا گمان بھی نہ تھا۔

امی کو ایک دن موسمی بخار نے آلیا۔ وہ سیدھی سادی عورت تھیں، اپنی زمین سے جڑی رہنے والی۔ بنا کسی کو بتائے محلے کے مشہور ڈاکٹر کے پاس چلی گئیں کہ بقول ان کے، اس کی دوا انہیں موافق آتی تھی۔ ڈاکٹر نے نئی نئی آنے والی کوئی اینٹی بائیوٹک انہیں بھی ٹکا دی، جو وہ آج کل سب ہی مریضوں کو دے رہا تھا۔ بخار دو دن اتر کر پھر چڑھ گیا اور اب کی بار گردے کا انفیکشن بھی ساتھ لے آیا تھا۔ طبیعت زیادہ بگڑی تو انہیں اسپتال میں داخل کروایا گیا مگر وہاں مزید کچھ پیچیدگیوں کا انکشاف کیا گیا۔

امی کی رنگت تانبے جیسی ہوتی جارہی تھی اور جسم غبارے کی طرح پھول رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو لوگوں کے مشورے سے بڑے اسپتال لے گئے جہاں انہوں نے انکشاف کیا کہ اول اول جو دوا انہوں نے کھائی تھی یہ اسی کے مضر اثرات ہیں۔ انہوں نے ایڈمٹ تو کرلیا مگر مکمل علاج وہ بھی نہ کرسکے۔ امی کا جسم اتنا پھول چکا تھا کہ پلنگ پر لیٹتیں تو پلنگ چھپ جاتا، گھر تتر بتر ہوکر رہ گیا۔

شاہ تاج نوکری دیکھتی یا گھر کہ بابا اور بھائی ایک حد سے زیادہ اس کے کسی کام کے نہ تھے۔ تائی امی کا پورشن الگ تھا پھر بھی وہ ہر ممکن حد تک مدد کرتیں مگر گھر کا نظام گھر کی عورت ہی چلا سکتی تھی۔ اسپتال کا خرچ بہت زیادہ تھا اور وہ سفید پوش لوگ، تایا ابا اور احمر بھائی کی ہمت بھی جواب دے گئی۔ گھر کی ساری بچت ٹھکانے لگ گئی، شاہ تاج نے آفس سے چھٹی لے رکھی تھی مگر امی کی طبیعت سنبھل کر نہ دی۔ وہ انہیں چھوڑ کر کیسے جاتی؟ آخر نوکری سے فارغ کردی گئی۔ اسے غم نہیں تھا بس اس کی ماں بچ جاتی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک دو مہینے کی بھاگ دوڑ میں وہ یوں چٹ پٹ ہوئیں کہ کسی کو یقین نہ آتا تھا۔

"اپنے بابا اور بھائی کا خیال رکھنا تاج! تم میری اچھی والی بیٹی ہو۔" ماں کے آخری الفاظ اس کے سینے میں کھب گئے تھے، اس کی آنکھ سے ایک آنسو نہ ٹپکا تھا۔ لوگ روتے ہوئے اسے گلے لگاتے تو وہ ایک لمحے میں بدک کر پیچھے ہوجاتی، اسے کمزور ہونے سے ڈر لگتا تھا اور وہ کمزور نہیں تھی۔ شیراز اچھی فطرت کا انسان تھا، جس طرح اور جتنا ممکن ہوتا اسے سہارا دیتا۔ وہ اس کی پسند تھی، وہ اسے اپنے نام کی انگوٹھی پہنا چکا تھا مگر یہ سچ تھا کہ ایک مخصوص فاصلہ تا حال ان کے درمیان تھا۔

شاہ تاج بہروز اپنی حدود آپ طے کرتی تھی اور اسے پار کرنے کی اجازت اس نے اب تک شیراز کو بھی نہیں دی تھی۔ شیراز کی والدہ جو عمرے سے واپسی پر اس کی شادی کی تیاریوں کا سوچ رہی تھیں، یہاں کی کایا پلٹ پر حیران پریشان رہ گئیں۔ امی کے انتقال پر سب نے انہیں شاہ تاج کی دل

جوئی کرتے دیکھا تھا اور سب ہی بابا کو جلد اس کی رخصتی کا مشورہ دے کر گئے تھے۔ کچھ دن ان سب کو سنبھلنے میں لگ گئے۔ ہوش آیا تو احساس ہوا کہ اب نہ گھر چلانے والی ہے، نہ سنبھالنے والی۔ شاہ تاج کی نوکری ختم ہوگئی تھی، گھرداری اسے خاک نہیں آتی تھی۔ جب سے اب تک تائی امی ہی پکا کر بھیج رہی تھیں مگر کب تک؟

گھر کی صفائی اور برتن وغیرہ پہلاج کر لیتا تھا کیونکہ وہ پہلے بھی امی کے ساتھ ان کاموں میں لگا رہتا تھا۔ وہ کچھ دن تک سب معاملات پر غور کرتی رہی پھر جو پہلا کام سمجھ میں آیا وہ یہ تھا کہ اس نے پھر نوکری کی تلاش شروع کردی اور اس بار کسی نے اسے نہیں روکا۔ سب جانتے تھے کہ وہ بالکل خالی ہاتھ ہو چکے ہیں۔ اُدھر شیراز کی امی نے مہینہ بھر صبر کر کے پھر اپنا مدعا بیان کیا تھا۔ ان کے دل کو کھٹکا لگ چکا تھا، یہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھتا نظر نہ آتا تھا۔

"آنٹی! آپ دیکھ رہی ہیں، میرے گھر کے حالات۔ میں کس کے سہارے چھوڑ دوں اپنے باپ بھائی کو؟" وہ بے یقینی سے انہیں تکنے لگی۔

"تم تو ایسے کہہ رہی ہو بیٹا جیسے تمہارے ابا سڑک پر بیٹھے ہیں، خیر سے اپنے گھر میں ہیں اور تمہارے تایا بڑے اچھے انسان ہیں۔ وہ دیکھ لیں گے سب۔" شیراز کی امی کا لہجہ اس بار اکتاہٹ لیے ہوئے تھا۔

"میں نے امی سے وعدہ کیا تھا کہ میں بابا اور پہلاج کا خیال رکھوں گی اور اپنے گھر کے حالات میں کسی بھی دوسرے شخص سے بہتر جانتی ہوں۔" شیراز کی امی کے ماتھے کے بل وگنے ہوگئے۔ اس کا صاف، مضبوط اور اٹل لہجہ انہیں سراسر ہٹ دھرمی لگا۔

"اپنے بابا کو بلاؤ۔" وہ جو ڈرائنگ روم میں ان کے ساتھ اکیلی بیٹھی تھی، چونک گئی۔ کسی انہونی کے احساس سے وہ انہیں غور سے دیکھتی ہوئی بابا کو بلانے چلی گئی۔

"معاف کیجیے گا بہن! مجھے علم نہیں تھا کہ آپ آئی ہیں۔" بابا اندر آ کر آداب میزبانی نبھانے لگے۔

"برا مت مانیے گا بھائی صاحب! میں صاف بات کرنے آئی ہوں۔ منگنی کے ایک ڈیڑھ سال میں، میں نے آپ کی بیٹی کی ہر بات مانی ہے کیونکہ یہ میرے بیٹے کی پسند تھی۔ میں مانتی ہوں آپ پر کڑا وقت ہے مگر کبھی آپ بھی تو میری جگہ خود کو رکھ کر سوچیں۔ مجھے بھی آگے جواب دینا ہوتا ہے، میرے بھی خاندان والے ہیں اور کتنا آپ مجھے ذلیل کریں گے؟" وہ شدید بے زار تھیں۔ شاہ تاج کی "نہ" نے انہیں شدید تھکن پہنچائی تھی۔

"اللہ نہ کرے بہن! آپ کیوں ایسی باتیں کر رہی ہیں؟" بابا گھبرا گئے۔ بیٹی کے سسرال کا معاملہ تھا۔

"اور کیسی باتیں کروں؟ ڈیڑھ سال میں آپ اپنی بیٹی کو شادی کے لیے آمادہ نہیں کر سکے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا اگر اسے شادی کرنی ہی نہیں تھی تو میرے بیٹے کو کیوں پھنسایا۔" وہ آج پھٹ پڑی تھیں۔

"معاف کیجیے گا آنٹی! میں نے آپ کے بیٹے کو نہیں پھنسایا، وہ خود میرے پاس پیغام لے کر آئے تھے۔" شاہ تاج کی توانا بلبلا اٹھی تھی۔

"تاج! تم چپ رہو۔" بابا کو غصہ آنے لگا۔

"بس آج اس معاملے کو آر یا پار کریں، میرے بیٹے کو لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں۔ آپ لوگوں کے مسئلے ساری عمر ختم نہ ہوئے تو میں کیا ساری عمر اپنے بیٹے کو بٹھائے رکھوں گی۔" آج گویا ہر حجاب اٹھ گیا تھا۔ شاہ تاج نے ٹھنڈی گہری سانس بھری۔ بابا کو کسی کی منتیں کرتے دیکھنا اسے ہرگز گوارہ نہ تھا۔

"تو ٹھیک ہے آنٹی! یہ لیجیے۔" اس نے ان کے سامنے دوزانو ہوتے ہوئے انگوٹھی انگلی سے اتار کر ان کے آگے رکھ دی۔ ایک پل کو کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ بابا کو تو سکتہ ہوا ہی، شیراز کی امی کو بھی چپ لگ گئی۔

"جو شخص میرے آج میں میرا ساتھ نہیں دے سکتا، میں اسے اپنے کل کا ساتھی بھی نہیں چن سکتی۔ میں جانتی ہوں آپ غلط نہیں ہیں، آپ کو پورا حق ہے اپنے بیٹے کی خوشیاں دیکھنے کا مگر میرے لیے خوشی کا مطلب صرف شادی نہیں ہے، آئی ایم سوری۔" وہ مضبوط لہجے میں کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔ شیراز کی امی کو صرف ایک لمحے کے لیے افسوس نے گھیرا مگر یہ بے عزتی ان کے لیے زیادہ بڑی تھی کہ ان کے اتنے قابل بیٹے کی ایک لڑکی ایسے ناقدری کرتی کہ خود انگوٹھی اتار کر ان کے ہاتھ پر رکھ گئی تھی۔

"آپ کی خاموشی اس بات کی گواہ ہے کہ آپ اپنی بیٹی کے ہم نوا ہیں۔" بابا کے جھکے سر پر مزید خاک انڈیل کر وہ یہ دہلیز پار کر گئی تھیں، پھر کبھی نہ پلٹنے کے لیے۔

"چین پڑ گیا نا تمہیں، میری معذوری کا تماشا لگا کے۔ اس دن کے لیے اتنا پڑھایا تھا کہ ساری دنیا کو اپنے پیروں تلے روندو۔ میری محبت اور اعتماد کا خوب ناجائز فائدہ اٹھایا ہے تم نے تاج! آج سے پہلے میں نے خود کو کبھی اتنا لاچار محسوس نہیں کیا۔" بابا اس کے کمرے کے وسط میں کھڑے برس رہے تھے۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ اس نے امی سے وعدہ کیا تھا کہ آپ دونوں کا خیال رکھے گی مگر لگتا تھا اب زبان سے ایک لفظ نہیں نکلے گا۔ جتنا اور جو کچھ کہنا تھا وہ شیراز کی امی کے سامنے کہہ چکی تھی۔ شام کو تایا ابو، تائی امی اور احمر بھائی آئے تھے۔

"اسی دن سے ڈرتا تھا میں، ایک بار لڑکی کے قدم باہر نکل گئے پھر وہ کبھی نہیں رکتی۔" یہ تایا ابو تھے۔

"ایسی بھی کون سی آفت پڑ گئی تھی جو تم نے رشتہ ہی توڑ دیا۔ کوئی اور بات تھی تو پہلے ہی بتا دیتیں۔" یہ تائی امی تھیں، اس نے سب کی لعن طعن سن لی تھی خلاف عادت۔ احمر کو اس کی خاموشی بہت محسوس ہوئی مگر وہ ہمت نہیں کر سکا کہ کوئی سوال کرتا۔

کئی دن یوں ہی بے کیفی میں گزر گئے۔ شاہ تاج کو ایک بہت اچھے اور مشہور ادارے سے لیٹر موصول ہوگیا۔ اس نے بنا تامل نوکری شروع کردی۔ ایک دن شام میں آفس سے نکلتے ہی اسے اپنے راستے میں حائل شیراز مصطفیٰ نظر آ گیا۔ وہ نظر انداز کر دینا چاہتی تھی مگر نہیں کر سکی۔

آنکھوں میں تاسف تحریر نا فہم نہیں تھی، وہ خاموشی سے ایک طرف چل دیا تو شاہ تاج بھی کسی احساس کے تحت اس کے پیچھے ہولی۔

"زیادہ وقت نہیں لوں گا تمہارا، بس اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ اتنے عرصے میں اتنا بھی اعتماد نہیں کر سکیں مجھ پر کہ رشتہ ختم کرنے سے پہلے مجھے اعتماد ہی کر دیتیں؟ میں نے کب تمہارا ساتھ نہیں دیا شاہ تاج؟ تمہاری طرف سے کبھی کوئی پیش رفت نہ ہونے کے باوجود بھی میں ہمیشہ پُرامید رہا۔ کبھی تمہیں غلط نہیں سمجھا مگر تم نے ثابت کر دیا کہ تم آج بھی مجھ سے اتنے ہی فاصلے پر کھڑی ہو جتنی اول روز تھیں۔ تمہاری ہر مشکل میں ساتھ دیتا مگر مجھے ہم سفر تو رہنے دیتیں۔" وہ بہت سنجیدہ تھا، شاہ تاج سے ایک لفظ نہ کہا گیا۔ یہ سچ تھا کہ وہ اس شخص کی لاکھ اچھائیوں کے باوجود اس سے محبت نہیں کر سکی۔

"خیر! میں جانتا ہوں تمہارے پاس کہنے کو کچھ نہیں، میں بھی تمہیں مزید مشکل میں نہیں ڈال سکتا۔ چلتا ہوں، خیال رکھنا اپنا اچھی لڑکی۔" وہ بنے تلے قدم اٹھاتا لمحوں میں اس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا تھا۔ اسے ماننا پڑا کہ وہ ایک اچھا انسان، واقعی اس کے نصیب میں نہیں تھا۔

تائی امی نے میرب کے لیے ایک رشتہ دیکھا تھا، تایا ابا کے کسی پرانے دوست کا بیٹا تھا۔ پولیس میں تھا اور بڑے اچھے عہدے پر تھا۔ میرب اس سے تین سال چھوٹی تھی، گریجویشن کر کے گھر بیٹھ گئی تھی۔ وہ اچھے مزاج کی لڑکی تھی مگر شاہ تاج کے لیے دیے رویے کے سبب اس سے کلوز نہیں ہو سکی تھی۔

امی کے انتقال کو آٹھواں مہینہ تھا۔ پچھلے ماہ شیراز مصطفیٰ کی شادی کا کارڈ انہیں ٹی سی ایس سے موصول ہوا تھا جو یقیناً یہ جتانے کے لیے بھیجا گیا تھا کہ ان کے بیٹے کو واقعی لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔

شاہ تاج نے بے تاثر چہرے کے ساتھ وہ کارڈ دیکھا تھا اور اپنی فائلوں پر جھک گئی تھی۔

''واقعی بڑے کم ظرف لوگ تھے، یہ کارڈ بھیج کر تو انہوں نے اپنی اوقات بتادی۔'' یہ احمر بھائی کے ریمارکس تھے۔

''بس اب بھول جاؤ، جو ہوا۔ آئندہ یہ ذکر کوئی نہ کرے، کچھ معاملات نصیبوں سے بھی جڑے ہوتے ہیں۔'' تایا ابا نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ محجوب سی ہوگئی۔

''چلو آصفہ! اب تم بھی بچی کو گلے لگالو۔'' تایا ابا نے تائی امی کو مخاطب کیا۔

''میں نے کب اس سے بیر لگایا ہے، یہی ہمیں اپنا نہیں سمجھتی۔ دیکھو اناڑی پن میں اپنے کتنے ہاتھ جلا لیے اس نے۔ مجھ سے کہتی تو کیا میں منع کردیتی مگر وہی اس کی نام نہاد انا۔'' تائی امی کی جھاڑ میں اپنائیت تھی، سب کی نظر بے ساختہ اس کے ہاتھوں پر گئی۔

واقعی وہ اتنے دنوں سے آفس سے آکر کچھ نہ کچھ پکانے کی کوشش کرتی رہتی تھی، حالانکہ اکثر میرب دوپہر کو کھانا دے جاتی تھی مگر اسے نجانے کیوں یہ بھی احسان لگتا تھا۔ بابا کو اس پر بے طرح پیار آتا مگر اس کو سزا دینے کے خیال سے اتنے ماہ سے اس کے ساتھ رویہ سخت رکھا ہوا تھا۔ آج خود کو روک نہ سکے اور بڑھ کر سینے سے لگالیا۔ وہ منہ پکا کیے ہر آنسو اپنے دل پر گراتی رہی، بس ایسی ہی تھی وہ۔

مطلع صاف ہوا تو تائی امی نے باہر کی کئی ذمہ داریاں اسے سونپ دیں یعنی میرب کی شادی کی شاپنگ وغیرہ۔ اس نے کھلے دل سے قبول کرلیں۔ ان ہی دنوں پھوپھو کی آمد کا غلغلہ اٹھا۔ وہ میرب کی شادی میں شرکت کے لیے پاکستان آرہی تھیں، گھر میں نئی ہلچل مچ گئی۔ شاہ تاج کو جاب نے الجھا رکھا تھا، اس سے فراغت ملتی تو تائی امی کے سونپے کام نبٹاتی رہتی۔ یوں بھی وہ لوگوں سے، ہجوم سے گھبراتی تھی سو پھوپھو کے آنے کی کم از کم اسے کوئی خوشی نہیں تھی۔

جس دن پھوپھو کی فلائٹ تھی اس دن وہ چند اہم میٹنگز کی وجہ سے ایسی مصروف ہوئی کہ سر اٹھانے کی بھی فرصت نہ مل سکی۔ آفس سے نکلی تو شام کے سائے لمبے ہو چکے تھے، گھر پہنچنے تک اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ اس کی گاڑی کا ہارن سن کر میرب چلی آئی تھی۔

''تم یہیں ہو؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''جی، وہ کھانا لے کر آئی تھی، امی نے بھجوایا تھا اور آپ کے اوپر والے کمروں کی صفائی وغیرہ کروا رہی تھی۔'' وہ اس کے پیچھے گیٹ بند کرتی ہوئی کہنے لگی۔

''اوپر کی صفائی کیوں؟ ابھی تو کرائے داروں کے جانے کے بعد بابا نے کلر وغیرہ کروایا تھا۔'' اس کی حیرت دوچند ہوگئی کہ اس وقت اوپر کے کمروں کا کیا ذکر۔

''وہ پھوپھو یہیں رکیں گی، شادی تک تو چاچو نے ہی کہا تھا کہ اوپر کے کمرے ان کے لیے تیار کردوں۔'' وہ ڈرتے ڈرتے بولی، یوں بھی وہ شاہ تاج کے مزاج سے خائف رہتی تھی اور جب سے اس کا رشتہ ختم ہوا تھا، وہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہو چکی تھی۔

''بابا نے کہا ہے تو ٹھیک ہے۔'' وہ سینڈل اتار کر لاؤنج میں ہی ڈھیر ہوگئی۔ میرب دوبارہ جاچکی تھی، بابا اور بہلاج بھی نظر نہیں آرہے تھے۔ وہ خود اتنی تھکی ہوئی تھی کہ کسی کی بھی خبر لیے بغیر سیدھی اپنے کمرے میں آکر بے خبر سوگئی تھی۔

صبح اس کی آنکھ ایک شور سے کھلی، کوئی بری طرح اس کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔ چھٹی کا دن تھا۔ وہ دیر تک سونے کے موڈ میں تھی، یہ شور اسے جتنا ناگوار گزرا، وہی جانتی تھی۔ الماری کے لاک پر اٹکا دوپٹہ کھینچ کر گلے میں ڈالتے ہوئے وہ ایک عالم طیش میں دروازے کی طرف بڑھی مگر دروازہ کھلتے ہی ایک

اجنبی صورت نے اسے حیران کردیا تھا۔

''سنو، تم جو کوئی بھی ہو مجھے یہ جاننے میں بالکل دلچسپی نہیں۔ بس مجھے کچھ کھانے کو دے دو، میں بھوک سے مر رہا ہوں۔'' ایک تو صورت اجنبی، اس پر اس کی فرمائش۔ وہ اسے جتنا برا لگ سکتا تھا، لگا۔

''دیکھو، مجھے پتا ہے میں بہت ہینڈسم ہوں۔ کوئی بھی لڑکی مجھے پہلی بار دیکھ کر ایسے ہی کھوجاتی ہے، مگر مجھے پہلے ناشتا دے دو، پھر جب تک چاہو مجھے دیکھتی رہنا۔ میں اب یہیں ہوں۔'' اس کی خاموشی سے دیکھنے پر وہ پتا نہیں کیا سمجھا۔ شاہ تاج کو جون میں آنے میں بس ایک لمحہ لگا۔

''آپ کی تعریف؟'' شدید ناگواری سے اس نے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔

''اوہو بھئی، کرلینا تعریفیں بھی، مگر پہلے مجھے ناشتا......'' اس جنم جنم کے بھوکے نے اسے عاجز ہی تو کردیا تھا۔

''اوہ شٹ اپ! میری طرف سے مرجاؤ بھوک سے۔ میں تمہاری نوکر ہوں؟ نہ جان نہ پہچان، صبح صبح آفت کی طرح نازل ہوگئے۔ دفع ہوجاؤ یہاں سے۔'' وہ پھٹ پڑی اور دھاڑ سے دروازہ اس کے منہ پر بند کردیا۔ شاہ زین چونک کر پیچھے ہٹا۔ ایک مبہم مسکراہٹ اس کے لبوں پر رینگ گئی، جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا تھا۔ جب ہی سیڑھیوں سے میرب نے شکل دکھا کر اسے اشارے سے پوچھا تھا، شاہ زین مصنوعی خوف سے کان کو ہاتھ لگاتا اس کے پیچھے اوپر آگیا۔ شاہ تاج کی نیند اڑ چکی تھی۔ وقت دیکھا تو احساس ہوا کہ وہ اپنے حساب سے نیند پوری کر کے اٹھی تھی۔

گیارہ بج رہے تھے مگر بہر حال اسے اس طرح اٹھائے جانے پر جو غصہ تھا وہ کم نہیں ہوا تھا۔ وہ حیران تھی کہ اسے تو گھر میں کبھی بابا تک کام کے لیے نہ اٹھاتے تھے، اس اجنبی کو اس کمرے کا رستہ کس نے دکھادیا تھا۔ اتنا تو وہ سمجھ ہی گئی تھی کہ وہ لندن سے آئے نمونوں میں سے ایک ہے مگر اتنا بدتمیز

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت -/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- -/350 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- -/500 روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- -/1000 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

اور منہ پھٹ۔ سارے لندن کی تہذیب پر لعنت بھیج کر وہ اپنے کپڑے نکال کر واش روم میں بند ہوگئی۔

☆☆☆

"کیسی رہی اپنی کزن سے پہلی ملاقات؟" اوپر آتے ہی احمر نے اشارے سے اس سے پوچھا۔

"زبردست بے عزتی کروا کر آرہے زین بھائی!" میرب نے فوراً سارا قصہ احمر کے گوش گزار کردیا۔

"میں نے کہا تھا تم سے، اس کی نیند کوئی خراب کردے تو وہ آگ لگا دینے کے درپے ہوجاتی ہے مگر تمہیں ہی شوق ہورہا تھا اسے چھیڑنے کا۔" احمر نے اسے جتاتے ہوئے کہا۔

"چلو یار! کوئی بات نہیں۔ پہلی ملاقات تھی، حساب پھر برابر کرلیں گے۔" شاہ زین نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"تم کہاں تھے جب سے؟ بھائی جان تمہارا پوچھ رہے تھے۔" جب ہی پھپھو وہاں آنکلیں۔

"وہ امی میرا فون نہیں مل رہا تھا تو وہی ڈھونڈ رہا تھا نیچے۔" اس نے جلدی سے بہانہ گھڑا۔ احمر اور میرب ہنسی چھپانے لگے۔

"یہ شاہ کب تک اٹھے گی میرب! اسے تو میں نے دیکھا ہی نہیں۔ رات فلائٹ اتنا لیٹ تھی کہ تب تک وہ سو چکی تھی۔ کیا سوچتی ہوگی بچی کہ میں نے اس کی ماں کا پرسہ تک نہیں دیا اسے۔" پھپھو بڑی خوش مزاج اور گھلنے ملنے والی تھیں۔ چند گھنٹوں میں ہی یہاں ایسے ایڈجسٹ ہوگئیں گویا ہمیشہ سے یہاں رہتی آئی ہوں۔

"کل وہ رات آئی بھی لیٹ تھی پھپھو! میں جاکر دیکھتی ہوں ابھی۔" میرب سعادت مندی سے کہتی ہوئی نیچے آگئی۔ شاہ تاج فریش سی نکھری نکھری کچن میں چائے کا پانی چڑھا رہی تھی۔

"رہنے دیں آپی! چائے مت بنائیں، میں نے آپ کا ناشتا اوپر تیار کردیا ہے۔" میرب نے فوراً اسے ٹوک دیا۔

"کیوں بنایا تم نے؟ میں نے تو نہیں کہا تھا۔" اس کا مزاج اب بھی برہم ہی تھا۔ اوپر سے سنائی دیتی وہ شناسا سی آواز اسے برابر غصہ دلا رہی تھی۔

"یہ بات نہیں ہے آپی! امی نے پھپھو کی وجہ سے ناشتے پر خاصا اہتمام کروایا تھا۔ سب نے ساتھ ہی ناشتا کیا ہے، چاچو اور پہلاج بھی اوپر ہی ہیں۔ پھپھو بھی کئی مرتبہ آپ کا پوچھ چکی ہیں، اسی لیے میں آپ کو بلانے آئی تھی۔" میرب نے نرمی سے وضاحت دی۔

"کون کون آیا ہے لندن سے؟" اس نے چائے کے برتن واپس رکھتے ہوئے پوچھا۔ میرب نے سر نیچا کرکے مسکراہٹ روکی۔

"بس پھپھو اور ان کے بیٹے شاہ زین بھائی۔"

"اور کوئی نہیں آیا؟ ان کے تو دو بچے اور بھی تھے نا۔" اس نے جیسے ذہن پر زور ڈالا۔

"تھے نہیں، ہیں الحمدللہ۔ مگر بڑے بیٹے پہلے ہی اپنی فیملی کے ساتھ چھٹیاں گزارنے باہر گئے ہوئے ہیں اور بیٹی کا سمسٹر چل رہا ہے اس لیے وہ انکل کے ساتھ وہیں ہے تو بچ گئے پھپھو اور زین بھائی۔"

"اچھا اچھا بس، تم تو ان کی فیملی کی آفیشل اسپوک پرسن لگ رہی ہو، اب چلو بھی۔" اپنے مخصوص مغرور انداز میں اسے لتاڑتی ہوئی وہ سیڑھیاں چڑھ گئی۔

"السلام علیکم!" ایک مشترکہ سلام جھاڑ کر وہ سیدھی پھپھو کی طرف بڑھی جو اسے دیکھ کر کھڑی ہوگئی تھیں۔ لائٹ گرین کلر کے پرنٹڈ لان کے کرتے اور وائٹ ٹراؤزر میں اس کا دمکتا رنگ جیسے روشنیاں بکھیر رہا تھا۔ سرمئی آنکھوں اور شہد رنگ بال پشت پر بکھرائے وہ کسی شہزادی جیسی لگ رہی تھی۔ اس کی چال میں عجب بے نیازی تھی، چہرے پر حد درجہ خود اعتمادی، نگاہ اٹھا کر بات کرتی وہ انہیں مختلف تو لگی تھی مگر بے باک نہیں۔

"ماشاء اللہ، جیتی رہو۔" بے اختیار اس کی پیشانی چوم کر اسے ساتھ لگالیا۔

"معاف کرنا بیٹا! میں تمہاری ماں کی وفات پر کوشش کے باوجود نہیں آسکی۔ لندن میں ان دنوں بم دھماکوں کی وجہ سے کسی غیر ملکی کو ویزہ جاری نہیں کررہے تھے، بس وہاں ایکلی تڑپتی رہی۔" وہ آب دیدہ ہوگئیں۔ شاہ تاج نے بے تاثر چہرے سے انہیں دیکھا۔

"اٹس اوکے پھپھو! میں سمجھتی ہوں۔" انہیں کندھے سے لگا کر اس نے بالکل نارمل انداز میں کہا تھا کیونکہ اسے واقعی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا ان کے آنے یا نہ آنے سے۔ وہ لوگوں سے امیدیں نہ رکھنے کی قائل تھی، سو اسے دکھ بھی کم ہی ہوتا تھا۔ اپنا ناشتا ٹرے میں سجا کر جس لمحے اس نے لاؤنج میں قدم رکھا، نظر سیدھی سامنے بیٹھے شاہ زین سے ٹکرائی۔ ان کنارے نیتوں والی حسینہ کو دیکھ کر ایک پل کو وہ ٹھٹک ہی تو گیا۔ اس نے جن تیز نظروں سے شاہ زین کو گھورا تھا، وہ صاف ظاہر کررہی تھی کہ غصہ ابھی باقی ہے میرے دوست، مگر کسی بھی رویے کا اظہار کیے بغیر وہ اس کے عین سامنے ناشتا رکھ کر بیٹھ گئی۔ سکے ہوئے سلائس پر مکھن اور جیم کی تہہ جما کر وہ کانٹے اور چھری سے آملیٹ توڑ کر کھانے لگی۔ شاہ زین سیدھا ہو بیٹھا۔ احمر کے آگے سے ریموٹ اٹھا کر نیوز چینل لگانے اور پھر احمر کے ساتھ ہونے والی خالص تجارتی اور کاروباری گفتگو نے اسے پوری آنکھیں کھولنے پر مجبور کردیا تھا۔ احمر نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا، وہ امپریس ہونے والے انداز میں کندھے اچکا کر رہ گیا۔ اپنا ناشتا ختم کرکے وہ گھڑی میں وقت دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ کیا بے نیازی تھی کہ سامنے بیٹھا لمبا چوڑا، اچھا خاصا خوش شکل بندہ اس نے یوں نظر انداز کیا تھا کہ پرا پر تعارف تک حاصل کرنا ضروری نہ سمجھا تھا۔

"بابا میں جارہی ہوں کچھ اور منگوانا ہو تو بتادیں۔" بہروز صاحب کے پاس رک کر اس نے عجلت میں استفسار کیا۔ شاہ زین دلچسپی سے اس کی ہر حرکت دیکھتا رہا۔

"نہیں بیٹا! بس جلدی آجانا۔" انہوں نے اپنا مخصوص جملہ دہرایا۔ وہ سر ہلاتی آگے بڑھ گئی۔

"تم کہاں چلیں بیٹا؟ ذرا دیر میرے پاس بھی تو بیٹھو۔" پھپھو حیرت سے اس کے پیچھے لپکیں۔

"بس کچھ گروسری کرنی ہے پھپھو! اور ہفتے کے کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔" اس نے دوبارہ گھڑی دیکھتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔

"اچھا۔" پھپھو بس اسی قدر کہہ سکیں۔

"میں آجاؤں گی جلدی پھر آپ سے باتیں ہوں گی، اوکے۔" اس نے ان کا دل رکھنے کی خاطر کہہ دیا حالانکہ ایسی رواداریاں نبھانی اسے ہرگز نہ آتی تھیں۔ پھر لمحے کی بھی دیر کیے بنا وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

"یہ کیا ماجرا ہے بھئی۔" شاہ زین نے احمر کو گھورا۔ وہ دونوں ہم عمر تھے اور ہمیشہ سے رابطے میں رہے تھے سو بے تکلفی بھی ایسی ہی تھی۔

"وہ بہت خوددار ہے، وہ خود کو چاچو کا بیٹا سمجھتی ہے سو مردوں کی طرح نوکری کرتی ہے، بلز جمع کراتی ہے۔ سودا سلف لاتی ہے، سارے شہر میں گاڑی دوڑائے پھرتی ہے۔ اسے لگتا ہے یہ گھر اس کے کندھوں پر چلتا ہے۔" احمر کے انداز میں ہلکی طنز کی آمیزش تھی مگر وہ تلخ نہیں تھا بلکہ دھیما دھیما مسکرا رہا تھا۔ شاہ زین سمجھ نہیں سکا سو کندھے اچکا کر ٹی وی میں مگن ہوگیا۔

شام چار بجے اس کی گاڑی کا ہارن بجا تھا۔ پھپھو اور شاہ زین اس وقت نیچے بابا کے ہی ساتھ تھے۔ تایا ابا اور تائی امی احمر کے ساتھ شادی کے کارڈ بانٹنے نکلے ہوئے تھے کیونکہ احمر کی بھی آج ہی چھٹی تھی اور دور رہنے والے رشتہ داروں کے ہاں گاڑی کے بغیر جایا نہیں جاسکتا تھا۔ دروازہ شاہ زین نے ہی کھولا تھا، وہ حیران ہوتی ہوئی گاڑی اندر لے آئی۔

"آپ نے کیوں تکلیف کی، پہلاج کہاں ہے؟" اسے بولتے ہی بنی۔

"دیکھ لیں، آپ نے تو مجھ پر دروازہ بند کردیا

تھا مگر میں اپنے دل...... مطلب گھر کے دروازے سب کے لیے کھول دیتا ہوں۔" اسے دیکھ کر خود بخود شاہ زین کی زبان پھسل گئی تھی مگر ادھر بھی وہ کون سا کم تھی۔ ذرا بھی گھبرائے بغیر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ تو اور بھی بری بات ہے کیونکہ دل اور گھر کے دروازے سب کے لیے نہیں کھولے جاتے۔" سرمئی آنکھوں کی چمک شاہ زین کو لاجواب کر گئی۔ وہ پچھلی سیٹ سے سامان نکال رہی تھی جب وہ اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

"دراصل شاہ...... میں تم سے سوری کرنا چاہتا ہوں، صبح کے لیے۔ بس وہ یوں ہی مذاق میں......" وہ کسی سے بگاڑ کر رہ نہیں سکتا تھا اور یہ لڑکی تو یوں بھی اسے ہر پل مائل کر رہی تھی۔

"اٹس او کے۔" وہ مختصراً کہہ کر شاپرز سنبھالتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"بس آپی! سب نصیب کی باتیں ورنہ لڑکا برا نہیں تھا۔ تاج کو پسند کرتا تھا، اب تو یہی کہوں گا کہ تاج کا جوڑ نہیں لکھا تھا اس کے ساتھ۔" دہلیز پر قدم رکھتے ہی یہ الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے تھے، قدم خود بخود رک گئے۔ پیچھے سے آتے شاہ زین نے بھی سب سن لیا تھا، وہ تو یوں بھی اس قصے سے واقف ہو چکا تھا۔ کچھ دیر پہلے ماموں نے امی کو سب بتا دیا تھا۔

"کیا ہوا، رک کیوں گئیں؟ چلو اندر، چائے تیار ہے۔" وہ یوں معمول کے انداز میں بولا جیسے ہمیشہ سے ان کے درمیان ایسی ہی بے تکلفی ہے اور جیسے ابھی کچھ لمحوں پہلے اس نے کچھ نہ سنا ہو۔ شاہ تاج بنا کوئی جواب دیے، متضاد کیفیات میں گھری اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"ارے آ گئیں تم، میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ ابھی بہروز اور میں تمہاری ہی باتیں کر رہے تھے۔" اس کی شکل دیکھتے ہی پھوپھو یوں آگے بڑھیں کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔ دونوں ماں بیٹا عجیب لوگ تھے، ان کی بے تکلفیاں دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ یہ کل رات آئے پردیسی مہمان ہیں، جن کی ابھی ٹھیک طرح خاطر تواضع بھی نہیں کی گئی ہے۔ وہ فریش ہو کر آئی تو پہلاج چائے کی ٹرے اٹھائے چلا آیا۔ ساتھ وہ چیزیں بھی تھیں جو وہ خود لے کر آئی تھی۔

"چائے کیا میرب دے کر گئی ہے؟" اس نے آہستہ آواز میں پہلاج سے پوچھا۔ پھوپھو مہمان تھیں اور وہ خود میزبان ہو کر سارا دن باہر گزار کر اب لوٹی تھی۔

"میرب کیوں لائے گی چائے، پہلاج نے بنائی ہے بھئی۔ اتنی زبردست چائے بناتا ہے یہ کہ میں تو صبح سے دو کپ بنوا کر پی چکا ہوں۔" جواب شاہ زین کی طرف سے آیا۔ شاہ تاج نے پہلے اسے پھر پہلاج کو یوں دیکھا جیسے وہ مذاق کر رہا ہو۔ دوسری طرف پہلاج کا چہرہ خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔

"پہلاج اور چائے...... مذاق کر رہے ہیں؟" اس نے قدرے برا مانتے ہوئے شاہ زین کو گھورا۔

"ایک طرف گھر سنبھالنے کا دعویٰ دوسری طرف گھر والوں سے ایسی بے خبری؟" شاہ زین منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ مگر شاہ تاج نے سن لیا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"مجھے حیرت ہے کہ تمہیں یہ نہیں پتا کہ تمہارا بھائی نہ صرف گھر کے سارے کام کر لیتا ہے بلکہ چائے بھی بہت اچھی بناتا ہے۔ ماموں بتا رہے تھے کہ کل اس نے ان کو ناشتا بھی بنا کر دیا۔" شاہ زین کی دی گئی معلومات اس کے لیے واقعی نئی تھیں۔

"واقعی پہلاج؟" وہ اب بھی بے یقین تھی۔

"آپی...... چا...... چا...... چائے......"

پہلاج بولنے میں بھی تھوڑا ہکلاتا تھا۔

مگر اس وقت وہ بے حد خوش تھا کیونکہ موضوع گفتگو اس کی ذات تھی اور ذکر خیر ہو رہا تھا۔ چائے واقعی مزے کی تھی، شاہ تاج خوشی اور حیرت سے مسکرانے لگی۔ شاہ زین کو دیکھا، اس کے چہرے پر "دیکھا میں نے کہا تھا ناں" والے تاثرات تھے۔

پہلاج چلا گیا تو زین نے اسے مخاطب کیا۔

"پہلاج آگے پڑھ نہیں سکتا تو تم اسے کسی کورس میں ایڈمیشن کیوں نہیں دلوا دیتیں۔" شاہ تاج نے ٹی وی سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

"جب وہ پڑھ ہی نہیں سکتا تو کورسز کیسے کرواؤں؟"

"کوئی بھی ہنر مندی کے کورسز جیسے اس کا کچن میں انٹرسٹ ہے، تم اسے ہوٹل مینجمنٹ یا محض کھانا پکانے کے کورسز کروا سکتی ہو۔ وہ دلچسپی سے یہ کام کرے گا اور اللہ نے چاہا تو آگے اس کے کام بھی آ سکتا ہے۔" وہ حیرت سے اس کی باتیں سنتی رہی۔

"لگتا ہے آپ اس کی چائے سے متاثر ہو کر اتنی دور کی سوچ رہے ہیں۔ پہلاج اتنا سب ہینڈل نہیں کر سکتا شاہ زین صاحب!" اس کا انداز شاہ زین کو قدرے روکھا لگا۔

"ہاں میں تو اس سے متاثر ہو گیا ہوں مگر شاید تم اپنے سوا کسی سے متاثر نہیں ہوتیں اور جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں، تم پہلاج کو بہت زیادہ انڈراسٹیمیٹ کرتی ہو جبکہ وہ بالکل نارمل ہے۔" اس نے جس طرح پہلاج کی حمایت کی، شاہ تاج سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"کل کو تم یہاں نہیں رہیں تو اس کی اور ماموں کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ وہ کس طرح زندگی گزاریں گے جب انہیں زندگی کا کوئی ڈھنگ ہی معلوم نہ ہو گا؟" وہ اس کی خاموشی پر مزید کہنے لگا۔

"میں کہاں جاؤں گی؟" وہ بے اختیار بولی۔

"کیوں؟ شادی نہیں ہو گی کل کو تمہاری؟ تب بھی تو یہ دونوں اکیلے ہی رہیں گے نا؟" اس نے براہ راست اسے گھور کر کہا۔

"میں کبھی شادی نہیں کروں گی۔" اس کے پرعزم انداز پر شاہ زین کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔

"تم تو بالکل بچی ہو بھئی، بے کار میں سب نے تمہیں سر پر چڑھا رکھا ہے، نری احمقانہ باتیں۔" وہ سراسر اس کا مذاق اڑاتا ہوا وہاں سے چلتا بنا۔ پیچھے وہ منہ کھولے اپنی ایسی عجیب بے عزتی پر کھولتی رہ گئی۔

☆☆☆

"کیا بات ہے صاحب زادے! آپ تو پیچھے کے ہی ہو کر رہ گئے۔ غالباً آپ یہاں میری بہن کی شادی میں شرکت کے لیے آئے تھے۔" احمر نے اسے دوسرے دن گھیر لیا تھا۔

"اور غالباً آپ نے مجھے ایک اور کام کے لیے بھی بلایا تھا۔" اس نے بھی فوراً حساب برابر کیا۔

"ہاں......" احمر نے ہاں کو لمبا کھینچ کر سانس لیا۔ شاہ زین نے بغور اس کا انداز دیکھا۔

"تو پھر کیسا پایا تم نے اسے؟" احمر نے براہ راست اسے دیکھا۔ وہ دونوں اس وقت رات کے کھانے سے فراغت کے بعد چھت پر ٹہل رہے تھے، دونوں کی انگلیوں میں آدھا سگریٹ دبا تھا۔ شاہ زین نے دھواں ہوا کے سپرد کرتے ہوئے جیسے اس کی بات کو سوچا۔

"ابھی کافی محنت کرنی پڑے گی۔" احمر اس کا جواب سن کر ہنس دیا۔

"ویسے ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟ اگر تمہاری نظر میں وہ اتنی ہی اچھی تھی تو تم خود کیوں نہیں اسے پسند کر لیتے؟" شاہ زین کا سوال متوقع تھا، احمر بالکل بھی حیران نہیں ہوا۔ اس کے سب جاننے والوں نے شاہ تاج سے مل کر یہی سوال اس سے کیا تھا۔

"وہ مجھے پسند ہے مگر ایک کزن کی حیثیت سے، وہ میرے ساتھ پل کر بڑی ہوئی ہے زین! میں اسے بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں اور جب ہی میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ میں اسے بیوی کے طور پر افورڈ نہیں کر سکتا۔ وہ بہت انا پرست ہے، بہت اصولوں والی، وہ ٹوٹ جائے گی مگر جھکے گی نہیں اور میں نہ اسے جھکانا چاہتا ہوں، نہ توڑنا چاہتا ہوں جبکہ مجھے پتا ہو کہ وہ صحیح ہے۔ رہا سوال بیوی کا تو ہم پاکستانی مردوں کو لڑکی وہی بھاتی ہے جو ہم سے شرمائے، ہماری محبت کا دم بھرے اور ہم جب جتنا چاہیں اسے بدل ڈالیں۔ یہی معصوم سی خواہشیں میری بھی ہیں۔" اس کی معصوم خواہشوں پر

شاہ زین نے منہ بنایا۔

"بہت خبیث شخص ہو تم، ویسے میری گردن پر یہ چھری پھیرنے کا مطلب؟" احمر زور سے ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔ شاہ زین اسے گھورتا رہا۔

"ویسے تو مجھے اس "چھری" کے لیے ہمیشہ سے تمہاری ہی گردن پسند تھی مگر بیچ میں شیراز مصطفیٰ آ گیا۔ میں نے سوچا تاج کی خوشی بھی شاید اسی میں ہو گی مگر پھر جو ہوا وہ تمہارے بھی علم میں ہے۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے وہ شیراز میں انٹرسٹڈ نہیں تھی؟" شاہ زین کو یہ بات پہلے دن سے چبھ رہی تھی۔

"نہیں، اگر ایسا ہوتا تو وہ یہ منگنی کبھی نہیں توڑتی یا کم از کم شیراز کو اعتماد میں ضرور لیتی مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ میں اس سے ملا تھا، یہ رشتہ سراسر شیراز کی پسند سے ہوا تھا۔ تاج کی اس میں کوئی انوالومنٹ نہیں تھی۔" احمر کا یقین شاہ زین کو بھی شانت کر گیا۔ رہا سوال شاہ تاج کا تو وہ سرمئی آنکھوں والی گلابی لڑکی اسے پہلے دن ہی بھا گئی تھی۔ آنکھوں میں بچی نیند کا خمار لیے، چہرے پر سنہرے بال بکھرائے وہ جتنی خفا تھی، زین کو اتنی ہی پیاری لگی تھی مگر وہ اسے پہلے جان لینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ شاہ تاج اپنے دل کے دروازے خود اس کے لیے وا کرے اور وہ تب تک انتظار کر سکتا تھا۔

☆☆☆

اس دن پھوپھو کوفتے بنا رہی تھیں۔ بابا کو بہت پسند تھے اور شاہ تاج کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں کیسے روکے۔ وہ تو تائی امی کے کھانا بھیجنے پر ہی کوفت کا شکار ہو جاتی تھی۔ وہ نوالے اس کے حلق سے رک رک کر اترتے تھے، کہاں یہ کہ کوئی اس کے کچن میں کھڑے ہو کر اس کی فیملی کے لیے کھانا پکائے۔ دو دن بعد میرب کا مایوں تھا، گھر میں خوب افراتفری تھی کاموں کی۔ شاہ تاج نے آج سے چھٹیاں لے لی تھیں، وہ صبح سو کر اٹھی تو پھوپھو فریزر میں منہ دیے گوشت کے پیکٹ کھنگال رہی تھیں۔

"سوری بیٹا! تم کہو گی میرے فریج سے کیا چوری کر رہی ہیں پھوپھو مگر بیٹا! بہروز نے فرمائش کی تو مجھ سے رہا نہیں گیا اور یوں بھی اتنے دن سے فارغ بیٹھے بیٹھے میری ہڈیوں میں درد ہونے لگا ہے۔" وہ شاہ تاج کے یوں دیکھنے پر عاجزی سے کہنے لگیں، شاہ تاج پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

"ایسا مت کہیں پھوپھو! آپ کا اپنا گھر ہے بس مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔ آپ یہاں کام کریں، میں بنا لوں گی، آپ بتا دیں کیا پکانا ہے۔" اس نے جس طرح کہا، پھوپھو مسکرا دیں۔ اس کی ناکارہ کوکنگ کے قصے وہ یہاں سب کی زبانی سن چکی تھیں۔

"ارے آج تم میرے ہاتھ کا کھانا کھاؤ پھر بتانا پھوپھو کیسا پکاتی ہیں۔ میرا بھی دل رد جائے گا اپنے بچوں کے لیے کچھ کروں گی تو۔" انہوں نے شاہ تاج کی کمر سہلاتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہو گئی مگر اندر پھر بھی شور برپا رہا۔

"چلو ایک کام کرو، تم کچن میں میری ہیلپ کرو اور سیکھ بھی لینا کہ میں کیسے پکاتی ہوں۔ اب تو ٹھیک ہے؟" وہ جیسے اس کا چہرہ پڑھ چکی تھیں، شاہ تاج مسکرا دی۔

"پھوپھو آپ کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آپ لندن میں رہتی ہیں۔" وہ پھوپھو کے بول چال اور کام کرنے کے انداز سے متاثر ہوئی تھی، پھوپھو ہنس دیں۔

"ارے بیٹا! ساری عمر تو یہیں گزر گئی، مطلب بچپن سے جوانی پھر شاہ زین اور عیشا کی پیدائش تک پاکستان میں ہی تھی۔ تمہارے انکل باہر رہتے تھے پھر عرصے بعد انہیں فیملی کا ویزا ملا۔ تب ہم یہاں سے گئے اور پھر ایک بات کہوں بیٹی! پردیس میں ہم اقلیت میں رہتے ہیں۔ ہمیں ڈر ہوتا ہے کہ ہماری شناخت مٹ جائے گی تو ہم اور مضبوطی سے خود کو تھامے رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے بچوں کو پابند کیا کہ وہ باقاعدگی سے نماز اور قرآن پڑھیں گے اور گھر میں اردو کے سوا کسی زبان میں بات نہیں ہو گی حالانکہ شاہ زین تو انگریزی اور فرنچ بھی بہت اچھی بول لیتا ہے مگر میں نے اسے بھی پابند کیا کہ دفتر سے آ کر گھر میں صرف اپنی زبان بولے۔" پھوپھو مشاقی سے کوفتے بنا بنا کر بھنے مسالے میں ڈالتی رہیں۔

"جی میں نے نوٹ کیا کہ شاہ زین کی اردو بہت اچھی اور صاف ہے۔" وہ یوں ہی دھیان آنے پر بولی۔

"اس کی ایک وجہ اس کی نوکری ہے، وہ لندن کی آکسفورڈ یونیورسٹی پریس میں کام کرتا ہے، جہاں وہ اردو اور فرنچ کتابوں کا ترجمہ انگریزی میں کرتا ہے۔ یہ اس کا اپنا شوق ہے ورنہ اس کے پاپا نے اسے اپنے آفس میں بڑی اچھی جاب دلوائی تھی مگر اس کا دل کتابوں میں ہی اٹکا رہا، ہم نے بھی زبردستی نہیں کی۔ شاہ ویز کا بھی اپنا اسٹور ہے اور عیشا گریجویشن کے آخری سال میں ہے۔" وہ کام کرتے کرتے اسے سب کے بارے میں بتانے لگیں۔

"میں تو سوچ رہی ہوں اس بار آئی ہوں تو شاہ زین کو بھی ٹھکانے لگاؤں۔" انہوں نے شوربے کا دم لگاتے ہوئے بات مکمل کی۔

"ٹھکانے لگاؤں؟" شاہ تاج خاک نہ سمجھی۔

"اوہو بھئی، مطلب اس کی شادی کر دوں۔" پھوپھو جیسے اپنی ہی بات کا مزا لے کر ہنسنے لگیں تو وہ بھی مسکرا دی۔

☆☆☆

شام میں اسے تائی امی کا بلاوا آ گیا، وہ اوپر گئی تو وہ میرب پر کسی بات پر خفا ہو رہی تھیں۔

"آپ نے بلایا تھا تائی اماں!" وہ وہیں اندر آ گئی۔ باہر لاؤنج میں شاہ زین بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا، احمر اب تک نہیں لوٹا تھا۔

"دیکھ بیٹا! اس لڑکی کی لاپروائیاں، اس کا شادی کا جوڑا جو ہم دے کر آئے تھے بوتیک میں، یاد ہے نا؟" انہوں نے تصدیق چاہی، شاہ تاج نے جھٹ گردن ہلا دی۔

"اسے کل تک جوڑا گھر پہنچا دینا تھا اور وہ نہیں آیا، اسے کہا تھا فون کر کے معلوم کر لینا مگر اس نے نہیں کیا۔ اب فون کر رہے ہیں تو مل نہیں رہا، رو رو کر حشر کر لیا ہے اس نے کہ میرا جوڑا نہیں آیا تو کیا پہنوں گی۔ ان لوگوں نے بھی حد کر دی لاپروائی کی۔ اب بتاؤ کیا کروں؟ احمر بھی نہیں لوٹا اب تک کہ اس کے ساتھ چلی جاتی، کل دکان بند رہے گی۔" وہ از حد پریشان تھیں۔

"اچھا، آپ پریشان نہ ہوں، مجھے کارڈ دیں میں جا کر پتا کرتی ہوں۔ بوتیک تو میں گئی تھی آپ کے ساتھ۔" اس نے جیسے ان کی مشکل آسان کر دی تھی۔ شام چار بجے کا وقت تھا، تائی امی نے رسید اور بقیہ پیسے اسے تھما دیے۔ شاہ زین نے سب سنا اور دیکھا تھا۔

"سنو شاہ!" وہ جانے لگی تو شاہ زین نے اسے پکار لیا۔ یہ دوسری بار تھا کہ اس نے اسے "شاہ" کہہ کر پکارا تھا۔ سارا گھر اسے تاج کہتا تھا۔ اسے اچھا نہیں لگا تھا۔

"دراصل مجھے بھی اپنی شاپنگ کرنی ہے اور احمر ابھی گھر نہیں آیا ہے اور کل بھی اس کی چھٹی نہیں ہو گی۔ تم جا رہی ہو تو کیا میں بھی تمہارے ساتھ چل سکتا ہوں کیونکہ مجھے نہ یہاں کے راستوں کا علم ہے نہ شاپنگ ایریاز کا، اگر تم مائنڈ نہ کرو تو......" اس نے اتنی نرمی سے کہا کہ اس سے انکار نہ ہوا۔ البتہ ماتھے پر کئی بل پڑ گئے تھے۔

"او کے پندرہ منٹ میں تیار ہو کر نیچے آ جائیں۔" وہ اسے آرڈر دیتی ہوئی چلتی بنی۔ شاہ زین مسکراہٹ دباتا ہوا فوراً ہی پیچھے چل دیا۔

تقریباً پون گھنٹے میں وہ تھکا دینے والے ٹریفک کے رش سے نکل کر مطلوبہ جگہ پہنچے تھے، شاہ تاج نے بوتیک والوں کی ٹھیک ٹھاک خبر لی تھی۔ ان پر احسان رکھ کر، جس وقت وہ لوگ میرب کا سوٹ لے کر وہاں سے نکلے، دھوپ ڈھل چکی تھی۔ ایک مشہور مال چند قدم کے فاصلے پر تھا، وہ دوبارہ پارکنگ سے نکلنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔ شاہ زین انجان نظروں سے ارد گرد کا جائزہ لیتا ہوا جیسے اسی کا منتظر تھا۔

"وہ سامنے مال ہے، آپ اتنا پیدل چل لیں گے؟" وہ رخ اس کی طرف موڑے پوچھنے لگی،

پیازی رنگ کے کُرتے پر وائٹ ٹراؤزر پہنے، پرنٹڈ دوپٹہ گلے میں لپیٹے، وہ گویا اس پر طنز کر رہی تھی، شاہ زین مسکرا دیا۔

"پتا نہیں یہ پاکستانی کیا سمجھتے ہیں کہ ہم وہاں لندن میں بگھیوں میں گھومتے ہیں۔ انہیں کیا پتا کہ روز ایک گھنٹہ پیدل چل کر میں اپنے آفس پہنچتا ہوں، یہ چار قدم تو میں چار سیکنڈ میں طے کرلوں گا۔" وہ سوچ کر مسکرایا اور بنا کوئی جواب دیے اس سے بھی پہلے قدم بڑھا دیے۔ شاہ تاج جو اس کے منتظر تھی، اب اس کی رفتار کا مقابلہ کرنے میں ہانپنے لگی۔

"تھوڑا سلو چلیں گے آپ؟" وہ پھولی سانسوں سمیت بمشکل بولی۔ زین نے ایک تجاہل عارفانہ سے ذرا سی ذرا اس کی سمت دیکھا۔

"کیا ہوا؟ تھک گئی ہو؟ لگتا ہے پیدل چلنے کی عادت نہیں ہے تمہیں۔" اس نے موقع دیکھ کر وار کیا تھا۔ شاہ تاج کو شدید برا لگا۔

"ظاہر ہے مجھے کیوں ہونے لگی عادت، میرے پاس میری گاڑی ہے۔" اس کے بچکانہ سے غرور پر شاہ زین زور سے ہنسا، وہ روڈ پار کرنے کے لیے فٹ پاتھ کے کنارے پر کھڑا تھا۔ پیچھے سے آتی شاہ تاج کو اس نے فوری ہاتھ دکھا کر روکا۔ سامنے سے تیز رفتار گاڑی گزر رہی تھی، اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی، شاہ زین نے مضبوطی سے اس کی کلائی پکڑ کر تیزی سے روڈ پار کروا دیا۔ وہ جیسے اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔

"ہاں تو تمہارے پاس اپنی گاڑی ہے؟ امیر ہو بھئی۔ میرے پاس نہیں ہے۔ میں مسلسل پیدل چلتا ہوں۔" اس کی کلائی چھوڑ کر دوبارہ اس سے آگے چلتے ہوئے وہ پھر بولنے لگا۔ وہ حیران پریشان اسے سننے پر مجبور تھی، اعتراض بھی نہ کرسکی۔

مال میں داخل ہوکر وہ اسے سب سے اچھے مردانہ کپڑوں کے برینڈ کے آؤٹ لیٹ پر لے آئی تھی، اس برانڈ اسٹور کے صوفے میں دھنسی وہ خود کو پرسکون کرنے لگی۔ شاہ زین سیلز مین کی معیت میں اپنے لیے کپڑے پسند کرتا رہا۔ صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے وہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر بند آنکھوں کے پیچھے اس کا قہقہے لگاتا چہرہ ابھر آیا تھا۔

"تمہارے پاس اپنی گاڑی ہے؟ امیر ہو بھئی، میرے پاس نہیں ہے۔" اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے اس لندن کے غریب کی آؤ بھگت میں سارے عملے کو مصروف پایا۔ غور کیا تو احساس ہوا کہ وہ گورا چٹا، ـــــ شان دار سا مرد، کوئی پردیسی ہی لگتا تھا اور اسی لیے وہ سب اس کے آگے بچھے جا رہے تھے۔

دکان میں چاروں طرف دیوار گیر شیشے نصب تھے اور ہر شیشے میں اس کا عکس نمایاں تھا۔

"کیسا لگ رہا ہوں شاہ؟" اس کے پکارنے پر وہ چونکی۔ اپنی پیچ کلر کی ڈینم پر سیاہ خوب صورت کوٹ پہنے وہ واقعی بہت جچ رہا تھا۔ وہ تعریف کرنا نہیں چاہتی تھی مگر اس کی محویت شاہ زین کو باغ باغ کر گئی۔

"چلو یہی اچھا لگ رہا ہے۔" اس نے جھٹ کوٹ اتار کر سیلز مین کے حوالے کیا پھر کچھ اور پسند کرنے لگا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد وہ وہاں سے فارغ ہوئے تو شاہ زین ایک لیڈیز بوتیک کے آگے رک گیا۔ وہاں ڈسپلے پر لگی دیدہ زیب سوٹ جگمگا رہے تھے، وہ بلا جھجک اندر گھس گیا اور ایک سوٹ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ کس کے لیے لے رہے ہیں؟" اسے تعجب ہوا۔

"اب اگر مجھے میرب کی شادی میں کوئی لڑکی پسند آ گئی تو؟" اس نے مگن سے انداز میں جواب دیا۔ شاہ تاج چپ سی ہوگئی۔

"تم بتاؤ نا، اچھا لگ رہا ہے یا نہیں؟" شاہ تاج نے لمحے میں خود کو کمپوز کیا تھا۔

"بہت اچھا ہے۔" جواب دے کر وہ شاپ سے باہر نکل گئی۔ شاہ زین نے خود کو داد دی اور سوٹ پیک کروا کر اس کے پیچھے نکل آیا۔

"اپنے شہر کا کچھ اچھا سا کھانا تو کھلواؤ یار! امی

اتنی تعریف کرتی ہیں یہاں کے ذائقوں کی۔" وہ گاڑی نکال کر مین روڈ پر لائی تو شاہ زین نے اس کے سنجیدہ چہرے کو گرفت میں لے کر کہا۔ اس کا کسی چیز کو دل نہیں کر رہا تھا مگر پتا نہیں کیوں وہ اس شخص کے ہر کہے کو بورا کر رہی تھی۔ ایک مشہور کھانے پینے کی جگہ پر بمشکل گاڑی پھنساتے ہوئے اس نے ویٹر کو اشارہ کیا۔ وہ گاڑی سے نہیں اترے تھے، ویٹر کو وہاں کا مشہور کباب فرائی آرڈر کرتے ہوئے اس نے یوں ہی اندر نظر آتے، کھانا پکاتے لڑکوں کو دیکھا تو ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"اس دن آپ پہلاج کو کورس کروانے کی بات کر رہے تھے، میں نے غور کیا تو آپ کی بات صحیح لگی مجھے۔ ہم کیا کر سکتے ہیں اس سلسلے میں۔" شاہ زین جو پہلے ہی اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ میں کھویا ہوا تھا، چونک گیا۔ وہ اتنی جلدی مان جائے گی اسے اندازہ نہیں تھا۔

"میں نے احمر سے بھی ذکر کیا تھا، وہ کچھ اچھے اداروں کے نام لے رہا تھا جو اس قسم کے کورسز آفر کرتے ہیں۔ تم کسی دن اس کے ساتھ جا کر معلومات لے آنا اور مناسب لگے تو پہلاج کو داخل کروا دینا۔ اسے تھوڑا سا اعتماد دینے کی ضرورت ہے شاہ! وہ بالکل نارمل ہے۔" اس نے بہت رسان سے اسے سمجھایا۔

"آپ نے احمر بھائی کو اس میں انوالو کیوں کیا؟ میں خود دیکھ لیتی سب۔" اسے اتنی ساری باتوں میں بس یہی سمجھ میں آیا تھا۔ شاہ زین کو بیچ میں غصہ آ گیا۔

"خود کو سب کا گاڈ فادر سمجھنا چھوڑ دو شاہ تاج بی بی! کچھ کام مردوں کے کرنے کے ہوتے ہیں۔ انہیں ہی کرنے دو۔" شاہ تاج کو اس کی بات نے چنگاری دکھا دی۔

"ویسے آپ بھی اندر سے کم پاکستانی نہیں ہیں، وہی مرد ہونے کا غرور۔" شاہ زین نے اچنبھے سے اسے گھورا۔

"ادھر دیکھو، یہاں کتنی گاڑیوں میں تمہیں مرد عورت کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھے نظر آ رہے ہیں؟ کتنی عورتیں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ویٹر کو آرڈر کر رہی ہیں؟" اس نے چٹکی بجا کر اس کی توجہ ارد گرد نظر آتی گاڑیوں کی طرف دلوائی۔

"اور اب ادھر دیکھو، صرف یہ مرد بقول تمہارے پاکستانی مرد، تمہاری فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہے اور بہت خوش بھی ہے کیونکہ اسے بالکل برا نہیں لگتا اگر اس کی ماں، بہن، بھابھی یا بیوی گاڑی چلائے، نوکری کرے۔ اپنی ایک شناخت بنائے مگر ہاں اسے اچھا لگتا ہے اپنی عورتوں کی حفاظت کرنا، انہیں دنیا کے سرد و گرم سے بچانا، ان کی چھوٹی چھوٹی مشکلوں کو حل کرنا۔ انہیں اپنے ہونے کا احساس دلانا، تو کیا وہ غلط ہے؟"

"تو کیا میں غلط ہوں؟" آخری بات اس نے براہ راست ان سرمئی آنکھوں میں ڈوب کر کہی تھی۔ وہ جو بے حد حیرت سے اس کی باتیں سن رہی تھی، کوئی جواب نہ دے سکی، کچھ پل یوں ہی ایک دوسرے کو تکتے ہوئے گزر گئے۔ ویٹر نے شیشہ بجایا تو دونوں جیسے ہڑبڑا کر ایک دوسرے کے سحر سے پیچھا چھڑا پائے تھے۔

☆☆☆

مایوں والے دن آسمان صبح سے ہی سرمئی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا، دھوپ ان سے لڑ لڑ کر تھک چکی تھی۔ شاہ تاج کی پریڈ لگی ہوئی تھی، تائی امی مایوں کے معاملے میں بڑی "کٹر" تھیں۔ احمر کہہ کہہ کر تھک گیا تھا مگر انہوں نے ہال میں انتظام کرنا گوارا نہ کیا تھا کہ مایوں کا تقدس پامال نہ ہو جائے مگر گھر بھی کوئی ایسا کشادہ اور عالی شان نہ تھا کہ یہاں زیادہ لوگوں کو بلایا جا سکتا سو بڑی بحث و مباحثے کے بعد وہ گھر کے سامنے والے پارک کے لیے راضی ہوئی تھیں۔ وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ رسم ہوتے ہی میرب کو فوراً گھر واپس بھیج دیا جائے گا۔ میرب کی مایوں میں اوڑھی جانے والی سادی پیلی چنری پھوپھو کو بالکل نہیں بھائی تھی سو جھٹ پٹ بازار سے میچنگ گوٹا ستارے منگوائے گئے۔

"پھوپھو یہ اب کوئی نہیں لگاتا۔" میرب منمنائی۔

"مگر..... بیٹا شادی ایک بار ہوتی ہے اور ہر جگہ کے اپنی رسم ورواج ہوتے ہیں جن کے بغیر خوشی کا روپ ادھورا رہتا ہے۔ گوٹے ستارے، ناک کی نتھ، چوڑی دار پاجامے کھسہ، ہاتھوں میں گجرے، یہ سب ہماری پاکستانی شادیوں کی پہچان ہے۔ دیکھو گورے آج بھی اپنی شادیاں چرچ میں کرتے ہیں اور ان کی دلہنیں آج بھی وہی سفید لباس پہنتی ہیں سو ہم کیوں اپنی روایتوں کو بدلتے تقاضوں کی مٹی تلے دفن کریں۔" پھوپھو کی بات میں وزن تھا سو میرب اور شاہ تاج دونوں قائل ہوگئیں۔

پھوپھو نے شاہ تاج کو بھی ساتھ لگالیا، ایک دو اناڑی ٹانکوں کے بعد اسے بھی اس کام میں مزا آنے لگا۔ دوپٹے سے فارغ ہوکر وہ یوں ہی ٹیرس پر آ کر کھڑی ہوگئی۔ دوپہر کا وقت تھا مگر دھوپ نہ ہونے کے سبب صحیح وقت کا اندازہ کرنا ناممکن ہورہا تھا۔ سامنے پارک میں قناتیں لگ چکی تھیں، اب شاید اندر کام ہورہا تھا، وہ بھی ایسے ہی تیاریاں دیکھنے وہاں چلی آئی۔ مزدوروں کے ساتھ شاہ زین لگا ہوا تھا، اسے دیکھا تو بھرپور انداز میں مسکرایا۔ اس رات کے بعد دونوں ہی دانستہ ایک دوسرے کو نظر انداز کررہے تھے مگر آج پھر وہ آمنے سامنے تھے اور شاہ زین کی مسکراہٹ نے جیسے وہ بے وجہ اڈا آنے والی جھجک کو ختم کردیا تھا۔ وہ اسے دیکھتی ہوئی آگے بڑھ گئی، کچھ لمحوں بعد وہ بھی اس کے ہم قدم تھا۔

"تم کیا یہاں مزدوروں پر نظر رکھنے آئی ہو۔" اس کے لہجے میں کچھ تو تھا جو شاہ تاج کو محسوس ہوا۔

"نہیں میں تو بس یوں ہی....." وہ نظریں چرانے لگی۔ وہ دونوں چلتے ہوئے قناتوں کی پچھلی طرف نکل آئے۔ یہ پارک کی فٹ پاتھ تھی جس کے کناروں تک میخیں گڑی ہوئی تھیں۔

"پھوپھو کو پسند آگیا آپ کی برائیڈ کا سوٹ؟" اس نے یوں ہی شاہ زین سے پوچھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ کنارے پر چل رہے تھے۔

"پھوپھو کو تو برائیڈ بھی پسند آگئی۔" وہ پھر منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"کیا؟" شاہ تاج کی بیس فیصد سمجھ میں آ گیا تھا۔

"کچھ نہیں، میں کہہ رہا تھا کہ تمہیں بارش پسند ہے؟" اس نے فوراً بات بدلی۔ موسم بھی تو کس غضب کا ہورہا تھا۔

"نہیں۔" اس نے منہ بنا کر یک لفظی جواب دیا۔

"کیوں؟" شاہ زین کو حیرت ہوئی۔

"بھگودیتی ہے، مجھے بھیگنا پسند نہیں۔" اس کے جواب پر وہ پھر ہنسا تھا۔ جیسے کسی بچے کی باتوں پر ہنسا جاتا ہے۔

"یہ کیوں نہیں کہتی ہو کہ ہار ماننے سے ڈرتی ہو، ہار جانے سے ڈرتی ہو۔" وہ اس کی طرف رخ موڑے الٹا چلنے لگا۔ شاہ تاج نے اس روشن چہرے کو حیرت سے دیکھا۔

"ہارنا کیسا؟"

"بارش ہرا دیتی ہے، ضدی ہے، من مانی کرتی ہے، وہ سب کو بھگودیتی ہے۔ مرضی نہیں پوچھتی کسی کی۔" اس کے عجیب سے فلسفے پر شاہ تاج اسے دیکھتی رہ گئی اور بس وہی ایک لمحہ تھا۔ سرمئی بادلوں کا ملاپ ہوا تھا اور ابر باراں ٹوٹ کے برسا تھا۔ شاہ تاج لمحے میں قنات کے اندر جا چھپی تھی اور وہ دونوں ہاتھ کھولے خود کو بارش کے سپرد کیے بھیگ رہا تھا۔ اس کی سفید براق شرٹ بالکل بھیگ گئی تھی، نیلی جینز کے پائنچے چڑھاتے ہوئے اس نے شاہ تاج کو ڈھونڈا تھا جو سامنے قنات کے سائے میں کھڑی چہرے سے شدید پریشان لگ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ فوراً اس کے پاس آیا تھا۔

"میں بھیگنا نہیں چاہتی۔" وہ اس لڑکی کے پاگل پن پر سر ہلا کر رہ گیا۔

"آؤ تمہیں، اندر چھوڑ آؤں۔" اس نے ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں، میں بھیگ جاؤں گی۔" وہ متذبذب

"نہیں بھیگنے دوں گا، وعدہ۔" اس نے کچھ اس یقین سے کہا کہ شاہ تاج نے خود بخود ہاتھ اس کے ہاتھوں میں دے دیے۔ وہ اسے فٹ پاتھ کے کنارے قناتوں کے سائے تلے بے بی اسٹیپس میں چلانے لگا، اس کے دونوں ہاتھ شاہ زین کے ہاتھوں میں دبے تھے اور وہ خود اس کے سامنے اس کی طرف رخ کیے بھیگتا چلا جارہا تھا۔ شاہ تاج یک ٹک اس کے روشن خوب صورت چہرے کو دیکھتی رہی۔ وہ پوری طرح بھیگ چکا تھا، اس کے گہرے براؤن بال روشنی میں سنہری جھلک دکھلاتے تھے، اس کی ناک بڑی مغرور سی تھی اور اس کی آنکھیں..... شاہ زین نے جیسے اس کی محویت محسوس کرکے براہ راست اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھی سرمئی تھیں، شاہ تاج پر ایک انکشاف ہوا تھا۔

وہ گہری سرمئی آنکھوں کا مالک تھا، گھر میں بابا اور تایا ابا دونوں کی آنکھیں سرمئی تھیں، ان کے بعد صرف شاہ تاج کے حصے میں یہ وراثت آئی تھی اور یہ تو اسے آج ہی پتا چلا تھا کہ وہ اکیلی اس کی حق دار نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں میں نجانے کیا تھا کہ شاہ زین سے پھر نگاہ پھیری نہ گئی۔ اس کے ہاتھوں میں ہاتھ دیے۔ وہ اس کے مکمل سہارے پر تھی، شاہ تاج کا دل پگھل رہا تھا، پھنچ رہا تھا اور اسے اختیار نہیں تھا۔ وہ کب کس طرح اسے قناتوں سے درختوں کے سائے میں لیے گھر کی چھت تلے لے آیا تھا، اسے خبر نہیں ہوسکی تھی۔ خبر تھی تو بس یہ کہ اس نے اسے بھیگنے نہیں دیا تھا۔

"کہا تھا نا، بھیگنے نہیں دوں گا۔" اس کے ہاتھوں کو اپنی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ وہ سوکھا تن اور بھاگ من لیے اپنے ہی گھر میں اجنبیوں کی طرح داخل ہوگئی تھی۔

محبت میں پگھلنے کی نہیں ہے
سمجھ لو دھوپ ڈھلنے کی نہیں ہے
محبت کرچکی ہے کام اپنا
طبیعت اب بہلنے کی نہیں ہے
محبت کی آؤ بساط بچھاؤ
کہ دیکھو ہاتھ ملنے کی نہیں ہے
محبت کھیل ہے تو آؤ کھیلیں
مگر ساتھی بدلنے کی نہیں ہے

بارش ایک گھنٹے میں رک گئی تھی۔ تیز ہوا کے باعث قناتیں بھی سوکھ گئی تھیں۔ پنڈال سج گیا تھا، مہمان آنا شروع ہوگئے تھے۔ تقریب کی گہما گہمی عروج پر تھی، موسم نے سب کا موڈ خوش گوار کردیا تھا۔ میرب بہت خوش تھی، شاہ زین کی گنگناہٹوں سے سب محظوظ ہورہے تھے۔

"لگتا ہے چیونٹی کے پر نکل آئے ہیں بارش میں۔" احمر اسے چھیڑ رہا تھا۔ وہ کیا کہتا کہ کسی کی نظروں نے اس کے دل کو پر لگادیے ہیں، ہاں وہ اڑ رہا تھا ہواؤں میں۔ وہ خوش تھا اور اپنی خوشی اسے ہمیشہ سے شیئر کرنے کی عادت تھی اور ایک وہ تھی جس کا بس نہ چلتا تھا کہ خود کو سب سے چھپالیتی۔ وہ بالکل بھی اس شخص کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی جو اسے کمزور کررہا تھا، وہ سچ کہتا تھا کہ وہ ہار ماننے سے ڈرتی تھی۔ جس بات پر اسے خوش ہونا چاہیے تھا اس بات سے وہ خوف زدہ تھی۔ پھوپھو اسے بلانے آئی تھیں اور وہ تیار نہیں تھی، بس کپڑے بدل لیے تھے۔

"کیا بات ہے بیٹا! تیار کیوں نہیں ہوئیں؟" پھوپھو اسے دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔

"بس پھوپھو! طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"مگر تم تو بالکل بھی نہیں بھیگی تھیں بارش میں۔" پھوپھو حیران ہوئیں، ساتھ اس کا ماتھا چھوا۔ وہ بالکل نارمل تھی، بس انداز میں بہت سستی تھی۔

"چلو اٹھو شاباش! گھر کی شادی ہے سب پوچھ رہے ہیں تمہارا۔" انہوں نے خود ہی اٹھ کر اسے تیار کرنا شروع کردیا پھر اسے ساتھ لے کر ہی باہر آئیں۔ پیاری تو وہ یوں بھی بہت تھی اور آج تو زرد رنگ میں گلابی اداس چہرہ الگ ہی چھب دکھا رہا تھا۔

"دیکھ تیرا کیا رنگ کردیا ہے، خوشبو کا جھونکا تیرے سنگ کردیا ہے۔" پنڈال میں قل آواز میں یہ

کا تاج رہا تھا اور وہ پردے کی شہزادہ مست ہو کر تاج پر رہا تھا۔ وہ پھوپھو کے ساتھ آکر کھڑی ہوگئی جہاں اسٹیج کے آگے شاہ زین احمر کے ننھیالی کزنز کے ساتھ مست تھا۔ اس پر نظر پڑی تو قدم سست ہوئے مگر چہرے کی رونق دگنی ہوگئی۔ وہ دانستہ نظریں چرا گئی، وہ کیسے ان آنکھوں کا سامنا کرسکتی تھی جن میں اس کا اپنا عکس بہت روشن تھا، کس غرور سے اس نے کہا تھا کہ وہ کبھی شادی نہیں کرے گی۔ امی سے وعدہ کیا تھا اس نے کہ وہ بابا اور پہلاج کا ہمیشہ خیال رکھے گی۔ وہ اتنی خود غرض نہیں ہوسکتی، وہ جان بوجھ کر وہاں سے ہٹ گئی تاکہ شاہ زین کو نظر انداز کرسکے مگر جب رسم کے بعد وہ میرب کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر واپس آرہی تھی تو وہ اسے سیڑھیوں پر ہی مل گیا۔

''تم مجھ سے بھاگ رہی ہو شاہ؟'' وہ اس کے راستے میں حائل ہوگیا۔ سفید کرتا پاجامہ اور شفاف پیروں میں کولہاپوری چپل پہنے وہ بالکل دیسی مرد لگ رہا تھا۔

''میرا نام شاہ تاج ہے۔'' اس نے دانستہ نظریں نیچی رکھیں۔

''ہوا کرے، میں تو شاہ ہی کہوں گا۔ میری بات کا جواب دو۔'' وہ بھی — ڈھیٹ تھا۔

''میں آپ کو جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔ آج تک کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ مجھ سے سوال جواب کرے۔'' وہ جان بوجھ کر سخت انداز اپنا رہی تھی۔

''ٹھیک ہے، نہیں کرتا سوال جواب۔ بس ایک بار مجھ سے نظر ملا کر بات کرو جیسے ہمیشہ کرتی ہو۔'' وہ اتنی جلدی ہار ماننے والا نہ تھا۔

''اب ٹھیک ہے؟'' بس ایک لمحے کے لیے اس نے سرخ ڈوروں والی ہلکی سرمئی آنکھیں اوپر اٹھائی تھیں اور شاہ زین فخر پر اپنا ہر بھید عیاں کرگئی تھیں۔ وہ جاچکی تھی اور وہ اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔

☆☆☆

میرب کی رخصتی والی رات پھر بادل چھائے تھے اور وہ اور احمر رات سے چھت پر اپنا ... پورا کررہے تھے۔

''پاگل ہے وہ، سمجھتی ہے وہ کہے گی اور میں مان لوں گا۔ میں جانتا ہوں وہ جھوٹ بول رہی ہے، جان بوجھ کر مجھے اگنور کررہی ہے۔'' شاہ زین ڈپریس تھا۔

''تم سیدھے پھوپھو سے بات کرونا۔'' احمر نے مشورہ دیا تھا۔

''کرچکا ہوں، وہ تو خود یہی ارادہ کیے بیٹھی ہیں مگر میں چاہتا ہوں شاہ تاج مجھے دل سے قبول کرے۔'' اس کی آنکھوں میں آج پہلے والی چمک نہیں تھی۔

''میرے کام کا کیا ہوا۔'' اس نے احمر سے پوچھا۔

''سب اوکے ہے۔ میں نے چاچو سے بات کرلی ہے، وہ تو بے چارے خود گھر میں رہ رہ کر تھک گئے ہیں، فوراً راضی ہوگئے۔''

''بس ٹھیک ہے پھر کل میں خود انہیں جگہ دکھانے لے جاؤں گا۔ خرید تو پہلے ہی لی تھی شاہ ویز بھائی کے سالے نے، بس اس کی رینوویشن ہورہی تھی۔ اب شکر ہے کہ وہ بھی ہوگئی ہے، بس بہروز ماموں جاکر اکاؤنٹس سنبھال لیں تو ہماری فکر ختم۔'' شاہ زین نے جیسے سکھ کا سانس لیا۔

''ہاں یار! تمہارا بہت شکریہ کہ تم نے اتنا سوچا ان کے لیے ورنہ شاہ تاج نے تو انہیں بالکل ہی لاچار بنا رکھا تھا۔ اب گھر سے نکلیں گے تو مصروف بھی رہیں گے اور ان کی صحت پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔'' احمر بہت مشکور تھا۔

''نہیں یار! شکریہ کیسا، شاہ ویز بھائی کو یہاں ایک برانچ کھولنی تھی اپنے اسٹور کی اور اس کے لیے ایک قابل بھروسا شخص درکار تھا — جب میں نے بہروز ماموں کا ذکر کیا تو وہ فوراً راضی ہوگئے۔ ان کا بھی کام ہوگیا اور میرا بھی۔'' آخری بات پر اس نے احمر کو آنکھ ماری۔

''خبیث...... اور وہ تمہاری ''چھری'' اس کو کون سمجھائے گا۔ اس کی انا پر تو تازیانہ پڑ جائے گا یہ

بات سن کر۔'' احمر کو اچھی طرح شاہ تاج کے ری ایکشن کا علم تھا۔

''فیصلہ اس بار بھی وہی کرے گی احمر! میں نے اپنے طور پر اس کی راہ میں حائل ہر اس مشکل کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، جس کے نیچے وہ اپنی خوشیاں دفن کرنے کا ارادہ کیے بیٹھی ہے۔ میرے جانے میں بہت کم دن رہ گئے ہیں، اچھا ہے مجھے بھی پتا چل جائے گا کہ اس کے دل میں اور زندگی میں شاہ زین فخر اور شیراز مصطفیٰ کے مقام میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔'' شاہ زین جیسے ہر بات کے لیے تیار تھا۔ احمر کو پہلی بار محسوس ہوا کہ بات اب مذاق سے بہت آگے نکل چکی ہے۔ وہ تاج کے لیے از حد سنجیدہ تھا، اس نے شاہ زین کے کندھے پر اپنا ہاتھ کا دباؤ ڈال کر جیسے اپنے ساتھ کا یقین دلایا تھا۔

☆☆☆

''تم اس کے باپ ہو بہروز! فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔ وہ بچی ہے، اسے کیا پتا اپنے بھلے برے کا۔ اس نے اپنی عقل اور جذبات کے لحاظ سے جو صحیح سمجھا وہ کیا اور اسے ہمت تمہاری کمزوری نے دی۔''

پھوپھو اور تایا ابا بابا کو قائل کررہے تھے۔ پھوپھو نے بابا کو شاہ زین کا پروپوزل دیا تھا شاہ تاج کے لیے۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپا! میں کم پڑھا لکھا آدمی تھا۔ پڑھی لکھی اولاد کے رعب میں آگیا پھر میری معذوری کے بعد اس نے جس طرح گھر کو سنبھالا، میں اس پر انحصار کرنے لگا تھا۔ آپ صحیح کہتی ہیں، لڑکی ذات کو ساری عمر تو نہیں بٹھا سکتا اور پھر جہاں اللہ نے اتنا کرم کیا ہے آگے بھی کرے گا۔'' وہ جیسے تھک گئے تھے، بہن بھائی کے آگے دل کا بوجھ ہلکا کرتے وہ خود کو بہت مضبوط محسوس کرنے لگے تھے۔

''کرنے کو تو لوگ بیٹیوں پر زور زبردستی بھی کرتے ہیں مگر اتنا پڑھا لکھا کر ہم بیٹی سے جاہلوں جیسا سلوک کرکے اسے بدگمان نہیں کرنا چاہتے لیکن اس کا بھلا برا سوچنا بھی تو ہمارا ہی فرض ہے نا۔'' تایا ابا نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''میرا یقین کرو بہروز! میں اسے بیٹی بنا کر رکھوں گی، شاہ زین کے ساتھ وہ بہت خوش رہے گی بس اب اسے قائل کرنا تمہارا کام ہے۔'' پھوپھو نے بابا کے ہاتھ پر حوصلہ افزا انداز میں دباؤ ڈالا تو بابا بھی سوچ میں پڑ گئے۔

☆☆☆

وہ تنہا چھت پر کھڑی تھی، شام ڈھل رہی تھی۔ ڈھلتے سورج کے نارنجی سائے اس کے وجود پر اپنی چھاپ چھوڑ گئے تھے۔ آج پہلاج کا اکیڈمی میں ایڈمیشن ہوگیا تھا اور وہ بے حد خوش تھا۔ بابا نے اسے اپنی نئی نوکری کے بارے میں بتایا تھا، وہ بہت خوش تھے، انہوں نے اسے پھوپھو کے پرپوزل کے بارے میں بھی بتایا تھا۔

''شیراز کے معاملے میں، میں نے تم پر کوئی زبردستی نہیں کی تھی کیونکہ مجھے اس کی ماں کا رویہ پہلے ہی کھٹک گیا تھا لیکن شاہ زین کے معاملے میں میرا دل پر سکون ہے۔ میں تم سے کوئی زبردستی اب بھی نہیں کروں گا تاج! بس اتنا یاد رکھنا، خوش بختی اور محبت بار بار دستک نہیں دیتی۔ دروازے بند ملیں تو لوٹ بھی جایا کرتی ہے۔'' اس نے زور سے آنکھیں میچیں، وہ خوش ہونا چاہتی تھی مگر وہ خوش نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی! اس کا دل اس شخص کی طرف پلٹ چکا ہے جو اس کا ہر مسئلہ اس کے کہے بغیر، اس سے زیادہ بہتر طریقے سے حل کرچکا تھا، جو اس کے اور اپنے درمیان حائل ہر عذر کو ختم کرچکا تھا۔ جو اسے صاف صاف چیلنج دے چکا تھا کہ وہ اب اس کی محبت سے نظریں پھیر کر دکھائے۔ مگر وہ اس کی محبت کو احسان ہی سمجھ رہی تھی۔ اسے ایک ترس کھاتی ہوئی کیفیت کا احساس ہورہا تھا، نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''ارے ابھی سے رو رہی ہو، ابھی تو رخصتی نہیں ہورہی تمہاری۔ ابھی تو بس یہ......'' اس کی آواز پر وہ چونک کر پلٹی، وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر وہی برائیڈل ڈریس اٹھائے کھڑا تھا۔

باریک چیک کی شرٹ پر جینز پہنے وہ کہیں جانے کے لیے تیار تھا۔ شاہ تاج نے ایک نظر اس کے ہاتھ میں موجود جوڑے کو دیکھا پھر اس کی مسکراہٹ کو اور اگلے پل رخ موڑ کر آنسو صاف کرنے لگی۔

''سنو شاہ.....!'' وہی دل کھینچتا لہجہ.....

''کیوں کر رہے ہیں یہ سب آپ؟ مجھے اور میرے خاندان کو اپنے احسانوں تلے دبا کر کیا خوشی حاصل ہوگی آپ کو؟'' جو اتنی دیر سے ذہن میں پک رہا تھا ایک دم ہی زبان پر آ گیا۔ شاہ زین چہرے پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ وہ اب بھی وہیں کھڑی تھی جہاں سے چلی تھی۔ اس نے جوڑا ایک طرف رکھا اور بالکل اس کے روبرو آ گیا۔

''اپنوں پر احسان نہیں کیا جاتا شاہ! ان کا ساتھ دیا جاتا ہے۔ میں نے بھی بس وہ ہی کیا ہے، ہم سب تمہارے اپنے ہیں۔ اگر احمر اور بڑے ماموں تمہارے معاملات میں بولتے ہیں تو یہ ان کی محبت اور فکر ہے، دخل اندازی نہیں۔ اگر ممانی تمہارے لیے کھانا بھیجتی ہیں تو یہ ان کی محبت ہے، احسان نہیں۔ اگر میرب اور احمر تمہاری بری بھلی سن کر بھی تمہارا خیال رکھتے ہیں تو یہ ان کی محبت ہے کوئی غرض نہیں اور یہ.....'' اس نے جوڑے کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ میری محبت تھی لیکن لگتا ہے محبت کرنے سے پہلے تمہیں رشتوں کی قدر کرنا سکھانا چاہیے تھا۔'' شاہ تاج خاموش کھڑی اسے دیکھتی رہی، اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ سب کچھ سچ کہہ رہا تھا۔

''میں جا رہا ہوں، دو دن بعد میری فلائٹ ہے۔ اسے جلا دینا یا پھینک دینا۔ یہ تمہارا تھا اور تمہارے لیے ہی تھا۔ میں لوٹ کر نہیں آؤں گا کیونکہ میں تمہاری طرح منافق نہیں ہوں کہ اپنے احساسات پر مصلحتوں کے خول چڑھا کے زندگی کے نفع و نقصان میں الجھا رہوں۔ میں نے تم سے محبت کی ہے اور میں یہ اعتراف تمہاری جھولی میں ڈال کر جا رہا ہوں۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ شاہ تاج کی نظروں میں زمین و آسمان گھوم گئے تھے۔ اسے لگا کسی نے اس کا دل نوچ کر پھینک دیا ہو، تکلیف اتنی تھی کہ اس کے لبوں سے آہ بھی نہ نکل سکی۔ وہ جا رہا تھا اور اس کا ہر اٹھتا قدم اسے خاک کر رہا تھا، وہ ایک آئینہ اس کے روبرو رکھ گیا تھا۔ وہ اسے اس قدر گہرائی تک جان چکا تھا کہ اس کی ہر سوچ، اس کا ہر خوف بمعہ اپنے اعتراف محبت کے، اس کے منہ پر مار گیا تھا۔

مردوں کو اتنا سہل بیاں بھی نہیں ہونا چاہیے، وہ سب کہہ کر اسے خالی کر گیا۔ ایک بے چینی تھی جو اس کے وجود میں چکرا رہی تھی۔ وہ چلا گیا تو وہ کیا کرے گی؟ وہ دھول بن جائے گی جو آوارہ ہواؤں کے رحم و کرم پر ہوتی ہے، جہاں چاہے اڑا لے جائے۔ ادراک کا ایک لمحہ تھا جو شاہ تاج بہروز کے قلب پر اتر گیا تھا۔ اگلے لمحے وہ جوڑا اٹھائے سرپٹ اس کے پیچھے بھاگی تھی۔ دیوانوں کی طرح اسے ہر کمرے میں تلاش کرتی ہوئی، بال بکھر گئے تھے، آنکھوں لہو ہو رہی تھیں۔ دوپٹہ گلے میں جھول گیا تھا اور پھر وہ اسے ایک کمرے میں تنہا نظر آ گیا، اس کی طرف پشت کیے وہ اپنے سوٹ کیس پر جھکا ہوا تھا۔ اس کی تلاش جیسے ختم ہوگئی۔ کمرے کا دروازہ اپنی پشت پر بند کر کے وہ اس کے پیچھے جا کر کھڑی ہوگئی تھی۔ اس نے پلٹ کر نہ دیکھا تھا۔ شاہ تاج نے روئی آنکھوں سے اس کے دراز قد کو ٹٹولا تھا اور تھک کر اس کی پشت سے سر ٹکا دیا تھا۔ اس کا یوں ٹوٹ کر رونا شاہ زین سے برداشت نہیں ہوا تو نرمی سے اسے خود میں سمیٹ کر اس نے اس انا پرست لڑکی کو ''اعتراف'' کی ہر دقت سے بچا لیا تھا۔